Research Journal Ulum-e-Islamia

Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum.e.Islamia/index

ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)

E-Mail: muloomi@iub.edu.pk Vol.No: 29,Issue:1 .(January-June) 2022

Published by:Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

فریضہ اقامت دین اور مولانا وحید الدین خان کے تفردات: تجزیاتی مطالعہ

Duty of Establishment of Deen and Moulana Waheed ud Deen Khan's Uniquenesses: An Analytical Study

Dr. Sumera Rabia

Assistant professor, Institute of Arabic and Islamic studies, Government College Women University, Sialkot, Email: sumera.rabia@gcwus.edu.pk

Dr. Amir Hayat

Assistant professor, Institute of Arabic and Islamic studies, Government College Women University, Sialkot, Email:sumera.rabia@gcwus.edu.pk. Email: amirhayat5817@gmail.com

For the past few centuries, Muslims have been engaged in efforts to revive and implement the Islamic system around the world. These revival and constructive efforts can be divided into several dimensions. One form of these revival efforts is to strive for the establishment of Islamic government, the implementation of the Islamic system, and the establishment of Islamic religion throughout the world. Among many others Maulana Wahiduddin Khan is also well-known in the sub-continent due to his thoughts and practical efforts regarding Farizah Iqamat e Deen. His concern regarding the obligation of Iqamah Deen is different from other Muslim thinkers of the subcontinent. This paper analyses his thoughts about Farizah Aqamat e Deen. According to him the meaning of Iqamat e Deen is not to establish the deen, but to preserve the established. According to other thinkers, it means both to establish and keep the established. For him the main purpose of Prophets is not to perform Farizah Aqamat e Deen. Its not obligatory for Muslims to make efforts for the establishment of Islamic system in the whole world

KeyWords: Farizah Iqamat e deen, Islamic system, Moulana Wahiduddin Khan, Obligatory, Muslim thinkers.

تمہید

گزشتہ چند صدیوں سے مسلمان دنیا بھر میں اپنے احیاء اور اسلامی نظام کے نفاذ کی کوششوں میں مصروف رہے ہیں۔ان احیائی و تعمیری کوششوں کو کئی جہتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جس میں سے ایک جہت جسے کافی حد تک مدافعاتی کوشش بھی کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ اسلام کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھا جائے اور اس میں در آنے والی کثافتوں کو دور کیا جائے۔ برصغیر پاک و ہند میں دیکھا جائے تو ایسی

کوششوں کا آغاز حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ سے ہوتا ہے۔ ایسی ہی کوششوں کا ایک تسلسل ہمیں ان تنظیموں اور علماء کرام کی برپا کی ہوئی تحریکوں میں نظر آتا ہے جن کا زیادہ زور دین کے نظام عقائد واعمال کی حفاظت و مدافعت پر رہا۔ جس کی ایک واضح مثال تحریک علماء دیوبند ہے۔ جس کی کوکھ سے بعد میں دینی مدرسوں اور دار لعلوموں کے ایک عظیم سلسلے کا آغاز ہوا۔

اسی طرح ان احیائی کوششوں کی ایک جہت امت مسلمہ کو استعماری طاقتوں کے مادی غلبے سے آزاد کرانا بھی ہے۔ اس کی ایک مثال شاہ ولی اللہ کے جانشین شاہ عبد العزیزؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جدوجہد آزادی کی صورت میں نظر آتی ہے۔ تحریک خلافت، تحریک پاکستان، عرب نیشلزم اور دنیا بھر میں ایسی ہی تحریکوں کے ذریعے مسلمان مغربی تسلط سے آزادی حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کو صرف مادی ہی نہیں بلکہ نظریاتی اور علمی یلغار کا بھی سامنا رہا ہے۔ لہٰذا ان احیائی کوششوں کی ایک جہت یہ بھی رہی ہے کہ مغرب میں رونما ہونے والی ترقی و ایجادات کے طوفان سے نمٹنے کے لیے اور اس کا ساتھ دینے کے لیے اسلامی تعلیمات کو جدید تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جائے اور ان کی جدید تعبیر پیش کی جائے۔ ایسی کوششیں ہمیں برصغیر پاک وہند میں سر سید احمد خان، ایران میں سید جمال الدین افغانی اور مصر کے مفتی محمد عبدہ کے ہاں نظر آتی ہیں۔

ان احیائی کوششوں کی ایک شکل دنیا بھر میں حکومت الٰہیہ کے قیام، اسلامی نظام کا نفاذ اور اقامت دین کے لیے اٹھ کھڑی ہونے والی تحریکوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔ برصغیر میں ایسی تحریکوں کے مؤسس کی حیثیت مولانا ابوالکلام آزاد کو حاصل ہے جنھوں نے گزشتہ صدی کے اوائل میں حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا، اسی طرح ایسی تحریکوں میں ایران میں آیت اللہ روح اللہ خمینی، حسن البنا کی تحریک اخوان المسلمین، عراق کے محمد باقی الصدر اور لبنان کے موسی الصدر کی تحریک بھی شامل ہے۔ گزشتہ صدی کے تقریباً نصف میں ہمیں ایسی ہی احیائی کوششوں کی ایک کڑی کے طور پر "فریضہ اقامت دین" کی گونج سنائی دیتی ہے۔ مسلم معاشروں میں ایک طبقہ فکر پیدا ہوا جس کی طرف سے اسے امت مسلمہ کے لیے فرض عین قرار دیا گیا ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلامی نظام کا قیام عمل میں لائیں اور یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کا احیاء و ترقی بھی اسی سے منسوب ہے۔ جس مفکر ودانشور نے اس اصطلاح کو عام کرنے میں سب سے ابتدائی قدم اٹھایا اور اس کے اہم اور ناگزیر ہونے کو اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے واضح کیا ہے وہ بلاشبہ مولانا مودودی ہیں۔ انھوں نے نہ صرف "اقامت دین" کو امت مسلمہ کے لیے ایک لازمی امر قرار دیا کہ وہ ہر سطح پر اس کا قیام عمل میں لائیں جس میں سرفہرست حکومت وریاست ہے بلکہ انھوں نے اسلام کی دیگر عبادات وفرائض کو بھی اسی فریضہ اقامت دین کی انجام دہی کے لیے دی جانے والی تربیت کی ایک کڑی قرار دیا۔ اسی کار خیر کی تکمیل کی خواہش کی خاطر انھوں نے ایک جماعت "جماعت اسلامی" بھی قائم کی۔ جس کا مقصد اس فریضہ کی تکمیل کے لیے لوگوں کی تربیت وتیاری تھا۔ عصر حاضر کے دیگر مسلم مفکرین میں مولانا امین احسن اصلاحی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے علاوہ مولانا وحید الدین خان بھی فریضہ اقامت دین کے حوالے سے اپنی افکار اور عملی کوششوں کی وجہ سے برصغیر میں خاصے معروف ہیں۔ فریضہ اقامت دین کے حوالے سے ان کی فکر برصغیر کے دیگر مسلم مفکرین سے مختلف ہے۔ ان کے ہاں اقامت دین کا مفہوم اور تصور روایتی فکر سے مختلف ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں اقامت دین کے حوالے سے ان کی فکر کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

اقامت دین کا مفہوم:

جہاں تک لفظ اقامت کا معنی ہے تو اس کا مادہ ہے: ق۔و۔م اسی سے لفظ قام، یقوم اور اقامہ نکلا ہے۔

اقامہ کا معنی "ظاہر کرنا اور عمل کرنا ہے۔اقام الشرع اظہرہ وعمل بہ۔[1]
(شریعت قائم کرنا سے مراد اسے ظاہر کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔)
اقامہ کا دوسرا معنی کسی چیز کا ٹیڑھا پن دور کرنا اور کسی چیز پر مداومت کرنا
اقام دراہ ای ازال عوجہ ۔[2](یعنی ٹیڑھا پن سیدھا کیا)
اقام الشی ای ادامہ اقام الشی۔[3](اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی چیز پر، کسی عمل پر مداومت کرے۔)
اقام کا یہی معنی لسان العرب میں بھی موجود ہے۔اقام الشی ای ادامہ۔[4](یعنی اقام الشی اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی چیز پر ہیشگی کرے۔)
نیز قیام کے معنی محافظہ اور اصلاح کے بھی آتے ہیں جیسے کہ لسان العرب میں ہے القیام المحافظة والا صلاح[5](قیام بمعنی محافظہ ہے اور اصلاح کرنا)۔
لہٰذا اقامہ کا معنی ہے ظاہر کرنا، عمل کرنا، ٹیرھا پن دور کرنا، ہیشگی کرنا، کسی چیز کی حفاظت کرنا اور اصلاح کرنا، ٹھہرانا، اعتدال پر ہونا رائج ہونا، ظاہر کرنا، کامل طریقے سے ادا کرنا۔

دین کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

جہاں تک لفظ دین کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے تو یہ عادت، عبادت اور اطاعت ہے۔جیسا کہ:
الدین العادة ، الاسلام ،العبادة، الطاعة[6]
(دین اسلام، عادت، عبادت اور اطاعت ہے)
اس کا ایک معنی باطل عادت بھی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا[7]
(اور جو کوئی دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ڈھونڈے۔دین بمعنی باطل عادت)
اسی طرح دین کا مفہوم حال، غلبہ، پرہیز گاری بھی ہے۔
الدین الحال،السلطان،الورع ،الطاعة،العبادة،[8]
(دین حال، غلبہ۔پرہیز گاری، اطاعت، اور عبادت کے معنی میں ہے)
دستور العلماء میں دین کے مندرجہ ذیل معانی بیان ہوئے ہیں:

---

[1]:ابراہیم مصطفیٰ،احمد حسن الزیات، حامد عبد القادر، محمد علی البخاری، المعجم الوسیط، دار الدعوة، استنبول، ترکی1989ء، مادہ ق-د-م
[2]:فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب(م817ھ)، القاموس المحیط، دار احیأ التراث العربی، بیروت، لبنان، 2003ء، مادہ:ق-د-م
[3]:ایضا
[4]:ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم(م711ھ)، لسان العرب، المکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 2005ء، ج:11 مادہ:ق-د-م
[5]:ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم(م711ھ)، لسان العرب، ج:11، مادہ:ق-و-م
[6]:فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب(م817ھ)،، القاموس المحیط، مادہ:د-ی-ن
[7]:آل عمران 3 : 85، ابو البقاء، ایوب بن موسیٰ(س-ن)، کلیات ابو البقاء، دار الاشاعة العربیہ، کوئٹہ، پاکستان، 1425ھ، مادہ:د-ی-ن،
[8]:،ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم(م711ھ)، لسان العرب، مادہ:د-ی-ن

الدین : الاسلام،العادۃ،الجزاء،المکافات، القضاء،الطاعۃ۔[9]

(دین سے مراد اسلام،عادت، جزاء عمل،بدلا دینا، فیصلہ کرنا اور اطاعت کرنا ہیں)

لہذا دین کا لغوی معنی ہے اسلام ،عادۃ،عبادت ،اطاعت ، غلبہ ،پرہیز گاری ، جزاء عمل ،بدلا دینا، فیصلہ کرنا کی ملکیت،قدرت، حکم عادت،سیرت،مذہب

جہاں تک دین کے اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ امور دین و دنیا ہیں جن کو رب تعالیٰ نے انسانوں کی نجات اور رضائے الہی کے حصول کی خاطر مقرر کیا ہو۔ ابو البقاء اپنی کلیات میں دین کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وضع الهی سائق لذوی العقول باختیار هم المحمود الی الخیر بالذات۔سواء کان قلبیا او قالبیا کا لاعتقاد والعلم والصلاۃ۔[10]

(دین رب کی طرف سے عقلمندوں کے لیے وہ مقرر کردہ امور ہیں جنکو اختیار کر کے وہ خیر بالذات (رضاء الہی) حاصل کر سکتے ہیں۔ دین اعتقادی اور عملی دونوں شعبوں کو شامل ہے۔ یعنی اعتقادی قوانین اور عملی دستاویز سب دین میں شامل ہیں)

اسی طرح دستور العلماء میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

قانون سماوی سائق لذوی العقول الی الخیر بالذات۔[11]

(دین وہ آسمانی قانون ہے جو عقلمندوں کو خیر بالذات (رضاء الہی) کی طرف لے جائے)

جب اقامت اور دین دونوں کے مفاہیم کو یکجا کیا جائے تو "اقامت دین" کا معنی ہوا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے جو عقلمندوں کے لیے ہدایات اتری ہیں جن میں اعتقادی قوانین اور عملی دستاویزات دونوں شامل ہیں اور جن کا مقصد رضاء الہی کا حصول ہے ان کی پیروی کرنا ،ان کو لاگو کرنا، ان میں اگر کوئی اعتقادی یا عملی بدعات پیدا ہو جائیں تو ان کے انحراف کی اصلاح کرتے ہوئے، ان کے درست معنی و مفہوم کا اظہار کرنا اور ان پر ہمیشگی عمل کرتے ہوئے دوسروں کو نہ صرف اس کی دعوت دے کر اس پر عمل کروانے کی کوشش وجدوجہد کرنا بلکہ ان (ہدایات) کا دفاع وحفاظت کرنا۔

مولانا وحید الدین کا تصور اقامت دین:

مولانا وحید الدین خان جو عصر حاضر کے ایک مشہور مفکر ہیں ان کے ہاں اقامت دین کا مفہوم اس مفہوم سے مختلف ہے جو ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا مودودی یا دیگر مفکرین کا ہے۔ یہ تمام حضرات اقامت دین سے مراد دین کو قائم کرنا اور قائم رکھنا لیتے ہیں۔ یعنی انسان نہ صرف انفرادی لحاظ سے دینی تعلیمات کی پیروی کرے اپنی ذات پر ان کا نفاذ کرے بلکہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کو بھی اسی نظام (دین) کے مطابق ڈھالنے کے لیے سر گرم و متحرک رہے اور اس کی انتہائی شکل اسلامی نظام کا قیام ہو۔ مگر مولانا وحید الدین خان کے نزدیک اقامت دین کا مفہوم (جس کو سورۃ الشوریٰ کی 13 آیت سے اخذ کیا جاتا ہے) مختلف ہے۔ وہ یہاں اقامت دین سے مراد اسلام کے بنیادی احکامات کا قیام لیتے ہیں اور انسان کی ذات پر انہی کا نفاذ فرض قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقامت دین سے مراد انسان کا اپنی زندگی کو اسلام کی بنیادی تعلیمات، جن کا تقاضا بلا لحاظ فرق شریعت تمام انسانوں سے مطلوب ہے، کے مطابق ڈھال لینا ہے نہ کہ اپنی

---

[9]: عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری، قاضی (س۔ن)، دستور العلماء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 2005ء، ج:2، مادہ: د-ی-ن،

[10]: ابو البقاء، ایوب بن موسیٰ (س۔ن)، کلیات ابو البقاء، مادہ: د۔ی۔ن

[11]: قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری، دستور العلماء، ج2، مادہ: د۔ی۔ن

جدوجہد کا مرکز دین کی تمام اساسی و فروعی تعلیمات کا اپنی ذات اور دیگر انسانوں پر نفاذ (قیام) قرار دینا۔ اقامت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

اقامت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کا حق ادا کرنا اس کو ٹھیک ٹھیک انجام دینا خارجی حکم کے نفاذ کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے مگر اس کا اصل مفہوم متعلقہ فعل کی انجام دہی ہے نہ کہ اس کا نفاذ۔۔۔ یہاں اقامت کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنیادی تعلیمات کو پوری طرح اختیار کیا جائے ان کو اپنی زندگی میں مکمل طور پر شامل کر لیا جائے۔[12]

جہاں تک مولانا وحید الدین خان کے نزدیک اقیموا الدین میں دین کے مفہوم کا تعلق ہے تو آپ کے نزدیک تمام علماء تفسیر اس آیت میں الدین سے مراد اصل دین یا دین کی بنیادی تعلیمات لیتے ہیں نہ کہ کل دین۔ ان کے نزدیک یہاں اقامت دین سے مراد سارے شرعی نظام کو لوگوں کے اوپر قائم کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دین کے اس بنیادی حصے کو پوری طرح اختیار کرنا ہے جو ہر شخص سے ہر حال میں مطلوب ہے اور جس کو اپنی زندگی میں پوری طرح شامل کر لینے کے بعد کوئی شخص خدا کی نظر میں مسلمان بنتا ہے۔[13] لہذا سورۃ الشوری جس کی آیت نمبر 13 میں "اقامت دین" کی اصطلاح موجود ہے اس آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے کے بعد مولانا "اقامت دین" کا مفہوم کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

معلوم ہوا کہ سیاق اور تمام مفسرین کی رائے کے مطابق "اقیموا الدین" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مکمل دین بشمول شرائع کو زمین پر قائم رکھو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد مسلم سے جو کچھ اس کی انفرادی حیثیت میں مطلوب ہے اس پر وہ مکمل طور پر قائم ہو جائے۔ قرآن کی اس آیت کا خطاب دراصل فرد سے ہے نہ کہ پورے نظام اجتماع سے۔[14]

آپ کے خیال میں اس آیت میں ایک ایسے دین کی اقامت کا حکم دیا گیا ہے جو پیغمبر اسلام کے سوا دوسرے پیغمبروں پر بھی یکساں طور پر اترا تھا۔ لہذا آیت یہ حکم دیتی ہے کہ تم متفرق ہوئے بغیر اسی واحد اور مشترک دین پر عمل کرو اور اس پر پوری طرح قائم ہو جاؤ۔ آپ کے مطابق اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خود پیغمبر ﷺ پر اترے ہوئے تمام احکام بھی اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آیت کے الفاظ کے مطابق یہاں اقیموا الدین میں دین کا صرف وہ حصہ مراد ہو گا جو شریعت کے علاوہ ہے۔ کیونکہ شریعت کے متعلق واضح طور پر فرما دیا گیا ہے کہ مختلف پیغمبروں کی شریعتیں الگ الگ تھیں۔[15] ایسی حالت میں تمام پیغمبروں کی مشترک پیروی صرف ان امور دین میں ہو سکتی ہے جو شریعت اور منہاج کے علاوہ ہیں اور جن میں ایک پیغمبر اور دوسرے پیغمبر کے مابین میں کوئی اختلاف نہیں۔[16] اسی طرح چونکہ آپ کے مطابق "اقیموالدین" والی آیت قرآن مجید کی سورہ شوری میں آئی ہے۔ یہ سورہ ثابت شدہ طور پر ایک مکی سورت ہے۔ یعنی وہ اس زمانہ میں اتری جب کہ قرآن کے بیشتر حصے ابھی نازل ہی نہیں ہوئے تھے اور قرآن کا وہ حصہ جو شرائع اور احکام سے تعلق رکھتا ہے وہ ابھی اہل ایمان کو دیا نہیں گیا تھا۔ لہذا آیت کا یہ زمانہ نزول حتمی طور پر بتاتا ہے کہ اقیموا الدین کی آیت میں الدین سے

---

[12]: وحید الدین خان، مولانا، تعبیر کی غلطی، دار التذکیر ،لاہور، 2008ء ص 104

[13]: ایضا، ص 104

[14]: وحید الدین خان، مولانا، دین وشریعت، دار لتذکیر، لاہور، 2005ء، ص 8

[15]: المائدہ 5: 47

[16]: محولا بالا، ص 7

مراد مکمل دین نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس وقت وہ سرے سے اترا ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ جو احکام ابھی نازل ہی نہ ہوئے ہوں ان کو قائم کرنے کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے۔[17] لہذا یہاں دین پر قائم ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ ان مشترکہ امور پر قائم ہو اجائے جو تمام پیغمبروں پر یکساں نازل ہوئے۔ ہم یہاں دین کی تمام تعلیمات مراد نہیں لے سکتے نہ ہی اسے بطور نظام مراد لے سکتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

اسی طرح سورہ شوریٰ کی مذکورہ آیت میں دوسرے پیغمبروں کا بھی ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کو بھی اسی الدین کے قائم کرنے کا حکم ملا تھا۔ مگر جیسا کہ معلوم ہے حضرت موسیٰؑ کے سوا دوسرے پیغمبروں کو سرے سے سیاسی اور قانونی احکامات دیئے ہی نہیں گئے تھے۔ حتی کہ زندگی کے آخری زمانہ میں بھی نہیں۔ ایسی حالت میں ان سابق پیغمبروں کو یہ حکم دینا کہ تم لوگ "مکمل دین" کو زمین پر قائم اور نافذ کرو اور بھی زیادہ نا قابل فہم ہے۔[18]

مولانا وحید الدین خان کے نزدیک دین حقیقتاً آدمی کی اپنی زندگی کا نقشہ ہے۔ آدمی کا اپنا وجود جس کے ساتھ وہ صبح و شام جی رہا ہے۔ جس کو لے کر وہ پیدا ہوتا ہے اور جس کو لے کر وہ مر جاتا ہے۔ اس وجود کو دین دار بنانا اور اس کو ہمہ تن اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھال لینا ہی دراصل اقامت دین ہے۔[19] اسی بات کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

اقیموا الدین سے مراد دین کو زمین پر قائم کرنا نہیں ہے بلکہ اس کو خود اپنے آپ پر قائم کرنا ہے۔ اس سے مراد احتساب خویش ہے نہ کہ احتساب غیر۔ اس سے مراد خود اپنے آپ کو خدا کے حکم کے تابع کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو خدا کے تابع بنانے کے نام پر ان سے جنگ چھیڑنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی آنکھیں اللہ کی یاد سے آنسو بہانے لگیں نہ کہ وہ دوسروں کے اوپر تلوار چلا کر ان کا خون بہائیں۔ اقیموا الدین کا مطلب اپنی دنیا کو معرفت الٰہی سے آباد کرنا ہے نہ کہ خدائی حکومت قائم کرنے کے نام پر دنیا کو تشدد اور نفرت کا جنگل بنانا۔ اقیموا الدین کا مطلب ہے اپنے اندر ربانی شخصیت کی تعمیر کرنا نہ کہ آدمی اطاعت رب کا نظام قائم کرنے کی خاطر ساری دنیا کو نفرت اور فساد سے بھر دے۔[20]

آپ کے نزدیک چونکہ اقامت دین سے مراد صرف انفرادی زندگی کی حد تک دین کی اقامت ہے تو اس کا مظہر کیا ہو گا یہ کیسے ممکن ہو گا؟ اس کے بارے میں آپ کا ماننا ہے کہ یہ تب ہو پائے گا جب ہماری پوری ہستی خداوند عالم کے آگے جھک جائے۔ ہم اسی کے عبادت گزار بن جائیں۔ ہمارا وجود اس کے ذکر و تسبیح میں سرشار ہو جائے۔ خدائے واحد ہی ہمارے خوف و محبت کے تمام جذبات کا مرکز بن جائے۔ اللہ کے ساتھ آدمی کا یہ تعلق اتنا زیادہ گہرا ہو جائے کہ اس کے اخلاق و عادات اسی میں ڈھلنے لگیں۔ اس کی بولی میں خدا کا نور شامل ہو۔ اس کا عملی سلوک عبدیت کے رنگ میں رنگ جائے۔ لوگوں کے درمیان وہ ایک ایسے انسان کے روپ میں رہنے لگے جس میں خدا ترسی اور آخرت کی جواب دہی کا احساس سمایا ہوا ہو۔ اس کا کردار اعلیٰ اصولوں سے متعین ہوتا ہو نہ کہ محض مصلحت اور مفاد کے تحت۔ وہ لوگوں کے ساتھ عدل کا برتاؤ کرے۔ اس کا دل کینہ اور حسد اور انتقام سے پوری طرح خالی ہو۔ وہ ہر حال میں سچ بولے۔ خواہ

---

[17]: وحید الدین خان، مولانا، دین و شریعت، ص10

[18]: ایضا، ص10

[19]: ایضا، ص30

[20]: ایضا، ص11-12

وہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف۔وہ لوگوں کے درمیان ایک ایسے انسان کی طرح رہے جو جہنم سے ڈرتا ہو اور جنت میں داخلے کا حریص ہو۔[21]

آپ کے نزدیک اقامت دین کو اساسات دین کی اقامت کے معنی میں لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موٹی موٹی تعلیمات کو لے لیا جائے اور باقی سب کو چھوڑ دیا جائے" اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس متفق علیہ دین کو پکڑو جو اصلا اور دائما مطلوب ہے۔فروعی اور اختلافی چیزوں کو مدار اقامت نہ بناؤ۔اس سے مراد "موٹی موٹی تعلیمات نہیں ہیں بلکہ وہ اصلی اور حقیقی تعلیمات ہیں جن پر آخرت کی نجات کا انحصار ہے۔مزید یہ کہ انہی تعلیمات میں اللہ کا پورا دین آجاتا ہے جو شخص ان چیزوں پر قائم ہو جائے وہ گویا پورے دین پر قائم ہو گیا۔اللہ کے نزدیک اس نے اپنے دین کو کامل کر لیا۔[22]

تصور اقامت دین اور مولانا وحید الدین خان کے تفردات

اقامت دین کا مفہوم:

مولانا وحید الدین کے مطابق اقامت دین کا مفہوم قائم کرنا نہیں بلکہ قائم رکھنا ہے۔دیگر مفکرین کے ہاں اس سے مراد قائم رکھنا اور قائم کرنا دونوں ہیں۔جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس سے مراد محض دین کا قائم رکھنا ہی ہے تو دیکھا جائے تو کسی بھی چیز کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اسے قائم کیا جائے۔کیونکہ جب تک ہم کسی چیز کو قائم نہیں کریں گے وہ کسی طور خود بخود قائم نہیں ہو سکتی۔اور جب وہ قائم ہی نہیں ہو گی تو قائم رہنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔لہذا یہاں اقامت دین سے مراد محض دین کا قائم رکھنا نہیں بلکہ قائم کرنا بھی ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہاں قائم کرنے سے مراد دین کا صرف ذاتی یا انفرادی حد تک قائم کرنا یا قائم رکھنا ہے یا پھر اجتماعی طور پر بھی اس کو قائم یعنی درست اور برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔مولانا وحید الدین خان صاحب کے علاوہ دیگر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں صرف انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر اس کے قیام کا حکم دیا گیا ہے۔کیونکہ اسلام میں دین فرد واحد کا ذاتی معاملہ نہیں اور دین کی کئی تعلیمات ایسی ہیں جن پر انفرادی طور پر بھی عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ پورا معاشرہ اس رنگ میں نہ ڈھل جائے۔چونکہ اس امر سے متعلق کہ آیا یہاں صرف انفرادی طور پر دین پر قائم ہونے کا حکم ہے یا اجتماعی طور پر بھی قائم ہونا مراد ہے کسی قسم کی مدد ہمیں اس آیت جس میں یہ اصطلاح وارد ہوئی ہے نہیں ملتی۔لہذا ضروری ہے کہ ہم عمومی طور پر اس بات کا جائزہ لیں کہ دین کی تعلیمات کے لحاظ سے پھر چاہے وہ اساسی اور بنیادی ہوں یا بشمول شرائع تمام تعلیمات، دین اسلام کس بات کا متقاضی ہے؟ کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ صرف فرد ہی اسلام پر قائم ہو یا وہ اس بات کا بھی طلبگار ہے اور ترغیب دیتا ہے کہ پورا معاشرہ دین اسلام پر قائم ہو جائے؟

قرآن پاک سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ امت مسلمہ کو اس بات پر کہ وہ دوسروں کو نیکی کی تبلیغ کرتے اور برائی سے روکتے ہیں یعنی دین پر قائم رکھنے اور کرنے کی کوشش کرتے ہیں امت وسط قرار دیا گیا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

---

[21]: ایضا، ص12

[22]: ایضا، 29

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (١١٠)[23]

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔)

لہذا ثابت ہوا کہ امت مسلمہ بہترین امت اس لیے قرار دیا گیا کیونکہ وہ لوگوں کو دین پر قائم ہونے اور قائم رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ بے شک یہاں نیک باتوں سے مراد وہ احکامات و قوانین ہیں جو اللہ تعالی نے ہم پر فرض کیے ہیں اور بری باتیں جن سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہ وہی محرمات ہیں جن کا ہم پر نزول ہوا ہے۔ لہذا نیک باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا دین کو قائم کرنے اور رکھنے کے مترادف ہے۔ اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین اسلام صرف انفرادی حد تک ہم سے یہ تقاضا نہیں کرتا کہ ہم دین پر قائم رہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو اس پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اقامت دین میں جس چیز پر ہمیں خود قائم ہونا ہے اور دوسروں کو قائم کرنے کی کوشش کرنی ہے آیا اس سے مراد صرف اساسی تعلیمات ہیں یا پھر تمام تعلیمات۔ یعنی یہاں دین سے مراد ایک پورا نظام ہے یا پھر وہ بنیادی تعلیمات جو ہر انسان سے مطلوب ہیں۔ مولانا وحید الدین خان اگرچہ دین کی تمام تعلیمات کی بشمول قیام حکومت کی فرضیت کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک اقامت دین کی اصطلاح جو سورہ شوری کی آیت نمبر 13 میں موجود ہے یہاں دین سے مراد اسلامی نظام نہیں بلکہ صرف اساسی و بنیادی تعلیمات ہیں جو تمام انبیاء کرام کی امتوں میں مشترک رہی ہیں۔ آپ کے خیال میں چونکہ اس آیت کا زمانہ نزول وہ ہے جب ابھی دین مکمل طور پر نازل نہیں ہوا تھا لہذا یہاں دین سے مراد پورا نظام زندگی نہیں لیا جا سکتا اور اسلامی حکومت کا قیام ہم پر مطلقا فرض نہیں ہے بلکہ یہ حالات کی سازگاری اور موافقت پر منحصر ہے۔ اس کا تعلق اہلیت سے ہے۔ یہ اہل اسلام پر اللہ کا انعام ہے جب اللہ کسی گروہ کے اندر حکومت و اقتدار کی اہلیت پاتا ہے تو وہ اس کے حق میں ایسے اسباب پیدا کرتا ہے کہ اس کو حکومت و اقتدار کا منصب حاصل ہو جاتا ہے۔[24] لہذا یہاں دین کے قائم کرنے سے مراد کسی صورت بھی دین اسلام کو بطور نظام قائم کرنا مراد نہیں لیا جا سکتا۔

لیکن دوسری طرف جب ہم قرآن وحدیث اور مسلم مفکرین کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام کو بطور نظام نافذ کیے بغیر یا دوسرے لفظوں میں اسلامی حکومت کے قیام کے بغیر دین کی اقامت مکمل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دین سے مراد چاہے بنیادی اور اساسی تعلیمات کیوں نہ ہوں حکومت کے قیام کے بغیر ان کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ لہذا اسلامی نظام یا حکومت کا قیام ضروری ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر یہ فرمادیا گیا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے۔ لہذا وہ نظام حکومت جو طاغوت کا قائم کردہ ہو کسی طور قبول نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (٠)[25]

فرمانروائی صرف اللہ کی ہے۔

[23]: الا عمران 3: 110

[24]: وحید الدین خان، مولانا، دین و شریعت، ص 32

[25]: یوسف 12: 40

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[26]

آگاہ رہو اسی کے لیے ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔

لہذا حکومت صرف وہی قبول ہے جو اللہ کے احکامات کے مطابق ہو۔اسی طرح حدیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا مقصد دراصل دین کی اقامت ہے اور جب تک خلافت کا ادارہ یہ کام سرانجام دیتا رہے گا خلافت مسلمانوں کے پاس رہے گی۔ارشاد نبویؐ ہے:

ان هذاالامر فی قریش۔لا یعادیهم احدالا کبه الله علی وجهه ما اقاموالدین[27]

اور خلافت قریش میں رہے گی جو بھی ان سے دشمنی کرے گا اللہ اسے سرنگوں اور اوندھا کر دے گا جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔

چونکہ خلافت کا مقصد ہی اقامت دین ہے لہذا خلافت و حکومت یا اسلامی نظام کا قیام دراصل اقامت دین کی ہی ایک کڑی ہے۔اسی طرح مسلم ماہرین سیاست جیسا کہ ابن تیمیہ اور ابوالثنا اصفہانی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ خلافت کا قیام دراصل اقامت دین کا ہی ایک حصہ ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ(م728ء)السیاسیۃ الشرعیہ میں فرماتے ہیں:

"ان ولایة امس الناس من اعظم واجبات الدین ،بل لا قیام للدین الا بها۔[28]

حکومت اسلامیہ دین کا بلند ترین فرض اور واجب ہے بلکہ اس کے بغیر دین قائم ہی نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح علامہ ابوالثنا اصفہانی تحریر کرتے ہیں:

"الخلافة ریاسته عامه تتمثل فی اقامة الدین و سیاسة الدنیا به،شخص واحد من الاشخاص خلافة عب النبی[29]

خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو اقامت دین اور دین کے ذریعے دنیا کا نظم و نسق چلانے کے لیے نبی کریم ﷺ کی نیابت میں کسی ایک شخص کو حاصل ہو۔

اگرچہ سورہ شوری کی آیت نمبر 13 کا زمانہ نزول اس بات کا متقاضی ہے کہ یہاں دین سے مراد دین کے تمام احکامات اسلیے نہیں ہوسکتے کیونکہ ابھی وہ نازل ہی نہ ہوئے تھے مگر قرآن وحدیث اور دیگر قرائن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین کی تمام تعلیمات یا دوسرے لفظوں میں اسلامی حکومت کا قیام اقامت دین ہی کی ایک کڑی ہے اور ایسا کیے بغیر دین کو مکمل طور پر قائم نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ قرآن وحدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حاکمیت صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور خلافت و حکومت کا مقصد درحقیقت اقامت دین ہی ہے اور خلافت و حکومت کے قیام کے بغیر ہم دین کی ان اساسی و مشترکہ تعلیمات پر بھی مکمل طور پر عمل پیرا نہیں ہوسکتے جو بقول مولانا وحید الدین خان کے یہاں مراد ہیں۔

---

[26]:الاعراف7: 54

[27]:بخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، امام (م256ھ)، الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ، کتاب فضیلت کے بیان میں، باب قریش کی فضیلت کے بیان میں، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، ت۔ن ،ح:3500

[28]:ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، شیخ الاسلام (م1328ء)، السیاسیۃ الشرعیہ، دارالمعارفہ، بیروت، مصر، 1969ء، ص161

[29]:اصفہانی، ابوالثناء، شمس الدین بن محمود بن عبد الرحمن، مطالع الانظار، مطبعہ خبریہ، قاہرہ، 1323ء، ص467

اقامت دین کی فرضیت:

مولانا وحید الدین کی فکر کا اقامت دین کی جدوجہد کی فرضیت کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے ان کے ہاں اقامت دین کے مفہوم میں روایتی موقف سے انحراف پایا جاتا ہے ویسے ہی وہ اس کی فرضیت کے بھی اس طرح سے قائل نہیں ہیں جیسے کہ مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار احمد یا دیگر مفکرین ہیں۔ چونکہ آپ کے نزدیک اقامت دین سے مراد دین کی بحیثیت مجموعی اقامت مراد نہیں بلکہ اس کی اساسی تعلیمات کا ذاتی زندگی پر نفاذ ہے لہذا آپ کے نزدیک دین کو بطور نظام قائم کرنا ہم پر فرض نہیں ہے کیونکہ دین کی تعلیمات کے مختلف اجزاء یکساں نوعیت کی اہمیت کے حامل نہیں ہیں جیسا کہ تصور نظام ہم سے تقاضا کرتا ہے۔ اگرچہ آپ اساسی تعلیمات کے علاوہ دیگر امور کی فرضیت کے بھی قائل ہیں لیکن آپ ان کی فرضیت کو مطلق قرار نہیں دیتے جیسا کہ فریضہ اقامت دین کے روایتی تصور میں ہمیں ملتا ہے۔[30]

آپ کے خیال میں دینی تعلیمات کے مختلف اجزاء کسی یکساں نوعیت کی فہرست کا نام نہیں ہیں جیسا کہ تصور نظام تقاضا کرتا ہے۔ بلکہ دین کی ایک حقیقت ہے اور بقیہ چیزیں اس کے وہ پہلو ہیں جو مختلف نسبتوں کے تحت اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں دین کے کچھ اجزاء باعتبار حقیقت مطلوب ہوتے ہیں اور کچھ باعتبار اضافت۔ حقیقی تقاضے سے مراد ہے داخلی اور حسیاتی طور پر خدا کو پالینا اور بالکل اسی کا عابد و پرستار بن جانا۔ اضافی تقاضے سے مراد وہ تمام احکام ہیں جو خارجی زندگی کے لیے دیئے گئے ہیں اور مختلف حالات و معاملات سے متعلق ہونے کی صورت میں ان کے بارے میں اہل ایمان کے رویے کو ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقی تقاضا ہر شخص سے ہر حال میں مطلوب ہوتا ہے۔ زمانے یا حالات سے اس کے اوپر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی وہ اصل اور اولین چیز ہے جس کو اس دنیا میں حاصل کر لینا انسان کی سب سے بڑی سعادت ہے اس کے برعکس اضافی تقاضے حالات کے سبب سے مطلوب ہوتے ہیں اور دائرہ اختیار کے لحاظ سے اس کی تکلیف گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔[31] جب کہ فریضہ اقامت دین کے روایتی تصور میں مومن کا مقصود اسلامی نظام کا قیام قرار دیا گیا ہے مولانا اس سے اختلاف کرتے ہیں کہ مومن کا مقصد اسلام کا نظام یا اسٹیٹ کا قیام نہیں بلکہ خدا سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

مومن کی زندگی کا اصل مقصد خدا سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ خدا سے انتہائی طور پر لپٹ جانا ہے اس سے ہمہ تن متعلق ہو کر زندگی گزارنا ہے۔ یہی وہ مقصود اصل ہے جس کے لئے انسان کی تخلیق عمل میں آئی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو پانے کے لئے مومن کو اپنی ساری توجہ صرف کرنی چاہیے۔ دنیا میں مومنانہ عمل کا اصل نشانہ خدا سے جڑنا ہے نہ کہ کسی مخصوص اسٹیٹ کا نظام قائم کرنا۔ اجتماعی انقلاب برپا کرنا یا زندگی کے نظام کو قسط وعدل پر قائم کرنا ایمان کا ایک تقاضا ہے جو مختلف حالات میں مختلف شکل اختیار کرتا ہے۔[32]

سید ابو الاعلی مودودی کے تصور اقامت دین کو دیکھا جائے تو وہاں ہمیں یہ موقف ملتا ہے۔ مولانا مودودی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اقامت دین کے لیے جدوجہد ہر بندہ مومن پر فرض ہے۔ مولانا "اقامت دین" کی فرضیت کے ثبوت کے طور پر یہ دلائل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ اسلام خود اپنا ایک نظام زندگی رکھتا ہے جس میں عقائد، اخلاق اور عبادات کے ساتھ ساتھ انفرادی طرز عمل اور اجتماعی

---

[30]: وحید الدین خان، مولانا، تعبیر کی غلطی، ص110

[31]: ایضا، ص31

[32]: ایضا، ص99

زندگی کے معاملات سے متعلق احکام و قوانین بھی ہیں اور اگر اسلام کی دعوت اپنے اس پورے نظام کی طرف ہے اور اگر اس کا دعوی ہے کہ اس کا اپنا نظام ہی برحق ہے اور اسی میں انسان کی فلاح ہے اور اس کے سوا ہر دوسرا نظام باطل ہے تو ان باتوں کے ساتھ یہ قطعی ناگزیر ہے کہ اسلام زندگی میں اپنے نظام کو غالب اور دوسرے نظاموں کو مغلوب کرنے کا تقاضا بھی کرے۔ ایک نظام زندگی کو حق اور صدق ہونے کی حیثیت سے پیش کرنا اور پھر اس کی اقامت کی دعوت نہ دینا سراسر ایک مہمل بات ہے اور اس سے بھی مہمل بات یہ ہے کہ دوسرے نظاموں کو باطل بھی کہا جائے اور پھر ان کے غلبے کو برداشت بھی کیا جائے۔[33] آپ اپنی کتاب "اسلامی ریاست" میں رقم طراز ہیں:

پس اسلام کا اپنے مخصوص نظام زندگی کی طرف دعوت دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسرے نظامات کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے نظام کی اقامت کا مطالبہ کرے اور اس مقصد کے لیے اپنے پیرووں کو جدوجہد کی ان تمام صورتوں کا اختیار کرنے کا حکم دے جن سے یہ مقصد حاصل ہوا کرتا ہے اور مرعیان اتباع کے ایمان وعدم ایمان کا نشان امتیاز اسی سوال کو قرار دے کہ آیا وہ اس جدوجہد میں جان ومال کی بازی لگاتے ہیں یا باطل نظامات کے ماتحت جینے پر راضی ہو جاتے ہیں۔[34]

اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی بھی اقامت دین کو دیگر فرائض کی طرح ہی کا ایک فریضہ قرار دیتے ہیں۔ مولانا کے نزدیک اقامت دین ایک ایسا فریضہ ہے جو تمام امتوں میں فرض رہا ہے اور تمام انبیاء کرامؑ نے اس کے لیے مقدور بھر کوشش وجدوجہد کی ہے۔ لہذا یوں کرنا امت مسلمہ پر بھی فرض ہے اور اس مقصد کے لیے لازم ہے کہ امت مسلمہ انہی انبیاء کرامؑ کے اسوۂ حسنہ سے رہنمائی حاصل کرے۔ ان سے ہٹ کر کی جانے والی کوششیں بے سود ثابت ہوں گی۔[35] فریضہ اقامت دین جو کہ انبیاء کرام کے بعد بقول مولانا امین احسن اصلاحی تمام امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ لہذا آپ کے نزدیک دعوت و اقامت دین کی ذمہ داری کے فریضہ کی عدم ادائیگی کو صورت میں ہر مسلمان گناہ گار ہو رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

فریضہ شہادت علی الناس اس امت کے تمام افراد پر منتقل ہو گیا ہے اور جب تک وہ اس کو انجام دینے لے لیے اس صالح اسلامی نظام کو قائم نہ کر دیں جس کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اس وقت تک اس فریضہ کے ادا نہ ہونے کا گناہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور قیامت کے دن اس کی پرسش ہر شخص سے ہو گی۔[36]

مولانا کے نزدیک تبلیغ ودعوت کا مطمع نظر نظام دین کا احیاء ہے اور اس کے بغیر دینا پر اتمام حجت ممکن نہیں۔ بلکہ بحیثیت مسلمان ہمارا اولین فرض درحقیقت اقامت دین ہی ہے۔ فرماتے ہیں:

تبلیغ کے لیے اصلی محرک درحقیقت اس فرض عظیم کا احساس ہے جو مسلمانوں پر اللہ تعالی کی طرف سے ڈالا گیا اور اس میں جو چیز بطور مطمع نظر اس وقت پیش نظر رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ نظام دعوت خیر پھر سے وجود میں آجائے جو خلق کو اللہ کے دین کی راہ بتا سکے اور

---

[33]: مودودی، سید ابوالاعلی، مولانا(1979ء)، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز(پرائیویٹ) لیمیٹڈ، لاہور، 2000ء، ص65

[34]: ایضا، ص66

[35]: اصلاحی، امین احسن، مولانا(م1997ء)، مقالات اصلاحی، ج1، فاران پبلشرز، لاہور، 2008ء، ص274-275

[36]: اصلاحی، امین احسن، مولانا(م1997ء)، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، فاران پبلشرز، لاہور، 2008ء، ص45

دنیا پر اتمام حجت کر سکے۔ جب تک یہ چیز دنیا میں موجود نہیں ہے ہر مسلمان کا سب سے مقدم اور سب سے اعلی مقصد یہی ہے کہ اس کو وجود میں لانے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے، کرے۔[37]

مولانا ابو الحسن علی ندوی جو برصغیر کے علماء کرام میں سے ایک نامور عالم و مفکر دین ہیں وہ بھی اقامت دین کی جدوجہد کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کی فرضیت کو بھی مانتے ہیں۔ آپ کے مطابق مسلمانوں کا مرکز سعی و عمل اقامت دین تھا۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی دین کے نفاذ (اقامت دین) کے لیے اپنی زندگی وقف کر دینے کو مسلمان اہل علم کی پہلی ذمہ داری سمجھتے ہیں آپ کے نزدیک فریضہ اقامت دین کی ادائیگی در حقیقت نعمت نبوت کی قدر دانی ہے اور یہ ہماری پہلی ذمہ داری ہے کہ ہم اس کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ آپ اپنی کتاب "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین میں "علماء کرام کی پہلی ذمہ داری" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

عالم اسلام میں کسی بھی درسگاہ کی خواہ وہ مدینہ الرسول ہی میں کیوں نہ قائم ہو۔ یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ نعمت نبوت کو سمجھنے کی طرف توجہ کرے جس سے بڑھ کر اللہ تعالی نے کوئی نعمت نہیں اتاری اور اس نعمت کی قدر اور شکر کے ساتھ اس کے سرگرم حامیوں اور داعیوں میں ہو اور وہ وہ زندگی کی رزم گاہ میں جہاں جاہلیت اور ارتداد اور انقلاب کے پرچم ہر طرف لہرا رہے ہیں وہ ندائے محمدی اور چشمہ مصطفوی کے سایے میں آجائے اور زندگی کے ہر محاذ پر خواہ وہ فکری و اعتقادی ہو یا عملی و انتظامی، اخلاقی و اجتماعی ہو یا تمدنی وسیاسی اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔[38]

مولانا ابو الحسن علی ندوی کا اقامت دین کی جدوجہد کے فرض ہونے کا موقف ہمیں ان کی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" میں ملتا ہے۔ جہاں وہ فریضہ اقامت دین کی اہمیت، اس سلسلے میں حکومت و اقتدار کے ناگزیر ہونے اور اس کے پس پردہ جذبات و محرکات اور اس میں تساہل کے نتائج و اثرات کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ مولانا "فریضہ اقامت دین ،شریعت و تاریخ" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

اس طاقت واقتدار کے حصول کے لیے جدوجہد کے ضروری ہونے کے بارے میں علماء اسلام میں (ہمارے علم میں) کبھی اختلاف نہیں رہا ہے جس سے خدا کی حاکمیت انسانوں پر عملا نافذ اور اس کے حکام (قوانین و تعزیرات کی شکل میں) معاشرہ میں جاری کئے جا سکیں۔ کوئی ایسی متوازی قوت واقتدار اور نظام اطاعت و حکومت اس کے مقابل نہ پایا جاتا ہو جو لوگوں کے لیے کشمکش اور فتنے کا باعث ہو۔۔۔ نیز ایسی قوت اور حیثیت کا حصول بھی ضروری ہے کہ جس میں جماعت مسلمین کو محض دعوت و ترغیب ہی نہیں بلکہ امر و نہی کی حیثیت وصلاحیت حاصل ہو اور وہ معروفات کو حکما جاری کرنے اور منکرات کو بزور روکنے کی استطاعت رکھتی ہو۔[39]

آپ کے نزدیک اس فریضہ کو چھوڑ دینے کے نتائج اسلام کی غربت، مسلمانوں کی مظلومیت، حدود احکام الہی کے تعطل اور اس کی وجہ سے زندگی کی بے نظمی اور انتشار اور نفرت خداوندی اور دینی و دینوی برکتوں سے محرومی کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں۔[40]

---

[37]: ایضا، ص47

[38]: ندوی، ابو الحسن علی، مولانا (م1999ء)، مجلس نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین، مجلس نشریات اسلام کراچی، ت۔ن ،ص14

[39]: ندوی، ابو الحسن علی، مولانا (م1999ء)، عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص109

[40]: ایضا، ص109

جہاں تک اقامت دین کی فرضیت کا سوال ہے تو ڈاکٹر اسرار احمد کے تصور اقامت دین کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ اس کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیتے ہیں کہ وہ دین کے قیام کے لیے اپنی تمام تر توانائیوں سمیت جدوجہد کرے۔ جیسے ہی کوئی انسان کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو اس پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کے قیام کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے دے اور پھر اسی تگ ودو میں اپنا وقت صرف کردے۔ آپ کے نزدیک اسلام کو صرف ذاتی زندگی کی حد تک اختیار کرلینا ہی کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کو بطور نظام قائم کرنے کی جدوجہد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ایسا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ جس معاشرہ میں رہ رہا ہے جب تک وہ معاشرہ اسلام کے رنگ میں رنگ نہیں جائے گا اس انسان کے لئے بحیثیت مجموعی اسلام پر عمل کرنا ناممکن ہوگا۔لہذا انفرادی سطح پر بھی دین کا قیام اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ وہ بحیثیت مجموعی قائم نہ ہو۔ڈاکٹر اسرار احمد صرف اسی موقف کے حامی نہیں تھے کہ مسلمانوں پر اقامت دین کی جدوجہد فرض ہے۔ بلکہ آپ کے خیال میں یہ فریضہ پہلی امتوں اور پیغمبروں پر بھی عائد رہا ہے۔ ان سب کے لیے بھی اللہ تعالی کا حکم تھا کہ وہ دین کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔

جاوید احمد غامدی صاحب بھی مولانا وحید الدین خان کی طرح "اقامت دین" کے روایتی تصور سے انحراف کرتے نظر آتے ہیں۔ مولانا وحید الدین خان کا روایتی طرز فکر سے اختلاف تو بنیادی طور پر یہ ہے کہ ان کے ہاں دین کا وہ مفہوم نہیں ہے جو دیگر علماء کرام اس اصطلاح کے لیے مراد لیتے ہیں۔ مولانا وحید الدین خان یہاں دین سے مراد کل دین بشمول شریعت نہیں لیتے بلکہ ان کے نزدیک یہاں دین کی صرف بنیادی تعلیمات کا قیام ہی مراد ہے۔ مگر جاوید غامدی صاحب اس اصطلاح کے لحاظ سے "دین" کے مفہوم سے تو اتفاق کرتے نظر آتے ہیں لیکن وہ "اقامت دین" کو ایک فریضہ نہیں بلکہ عمومی ہدایت قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں پر اس کی فرضیت کے قائل نہیں بلکہ وہ اسے صرف ایک اصولی ہدایت مانتے ہیں۔

وہ اپنی کتاب "البرہان" کے مضمون "تاویل کی غلطی" میں پہلے سورہ شوریٰ کی آیت نمبر 13 کی روشنی اور اس کے سیاق وسباق کے لحاظ سے اقامت دین کا مفہوم واضح کرتے ہیں اس کے بعد اپنے موقف کی دلیل کے طور پر مختلف مفسرین کرام کی تفسیر کو درج کرتے ہیں اور آخر میں اپنے "اقامت دین" کے تصور پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک فریضہ نہیں بلکہ عمومی ہدایت ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

یہ دین کے فرائض میں سے ایک فرض اور اس کے احکام میں سے ایک حکم نہیں ہے کہ اسے "فریضہ اقامت دین" قرار دے کر فرائض دینی میں ایک فرض کا اضافہ کر دیا جائے۔ بلکہ پورے دین کے متعلق ایک اصولی ہدایت ہے۔ ہر وہ چیز جو قرآن وسنت کی رو سے "الدین" میں شامل ہے زیر بحث آیت میں ہمیں اس کو بالکل درست اور اپنی زندگی میں برقرار رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس ہدایت کا تقاضا ہے کہ عقائد واصول، نماز وروزہ، حج وزکوۃ، حسن معاشرت، اصلاح ودعوت، قانون وشریعت، جہاد وقتال اور دوسرے تمام احکام میں سے جو چیز ماننے کی ہے اسے مانا جائے اور جو کرنے کی ہے اسے کیا جائے۔ [41]

جاوید احمد غامدی کے علاوہ تمام مفکرین، بشمول ڈاکٹر اسرار احمد، جو اقامت دین کے لیے کی جانے والی جدوجہد کے قائل ہیں وہ اس کو فرض مانتے ہیں۔ باوجود اس کے ان میں اقامت دین کے مفہوم میں اختلاف پایا جاتا ہے وہ تمام اس کی فرضیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرض ہے کہ انسان اپنے اوپر دین کو قائم کرنے اور رکھنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ دوسروں تک دین پہنچانے اور دین کو قائم کرنے کی

---

[41]: غامدی، جاوید احمد، البرہان، المورد، لاہور، 2009ء، ص180

کوشش کرے۔ کیونکہ قرآن پاک کی دیگر آیات اور انبیاء کرام کی سیرت بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ ایک انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی توانائی اقامت دین کے لیے صرف کرے۔

انبیاء کا مقصد بعثت:

مولانا وحید الدین خان کا نقطہ نظر اس حوالے سے کافی مختلف ہے۔ آپ اقامت دین کو انبیاء کرامؑ اور پیغمبروں کا مقصد بعثت نہیں سمجھتے ۔آپ کے نزدیک قرآن میں تمام انبیاءؑ کے بارے میں واضح طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ صرف تبلیغ (پہنچا دینے) پر مامور تھے۔ قوموں کو پوری طرح باخبر کر دینے کے بعد ذاتی ذمہ داری کی حد تک ان کا کام ختم ہو جاتا تھا۔ "قائم کرنا اور قائم رکھنا" تمام تر مدعو کے اپنے رد عمل پر منحصر ہے۔اس کو انبیاءؑ کی ذمہ داری کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ قرآن میں کوئی ایک آیت ایسی نہیں ہے۔ جس میں نبیوں کے مشن کو "قائم (نافذ) کرنے اور قائم (نافذ) رکھنے" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہو۔اس کے برعکس ایسی آیتیں کثرت سے موجود ہیں جن میں پہنچا دینے کو ان کا فرض منصبی قرار دیا گیا ہو۔[42] آپ لکھتے ہیں:

ہر نبی نے دعوت دین کے کام کو کامل اور مکمل صورت میں انجام دیا۔اس لئے اس مہم کی اسی انجام دہی کو "مقصود" کی حیثیت دے دی جائے گی جو تمام انبیاء کے ہاں مشترک طور پر پائی جاتی ہو۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کے ہاں جو چیز مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ پہنچا دینا ہے نہ کہ "پورے کے پورے دین کو عملاً رائج و نافذ کر دینا"۔ یہ واقعہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ دعوتی مشن کا اصل مقصود یہ ہے کہ مدعو تک خدا کا پیغام پوری طرح پہنچ جائے نہ کہ اس کو قائم کرنا اور قائم رکھنا۔[43]

جہاں تک دوسرے مفکرین کرام کا تعلق ہے تو وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اقامت دین کی جدوجہد تمام انبیاء کرامؑ کرتے رہے ہیں۔ اور یہ ان کے ہاں مقصود کی حیثیت رکھتی تھی۔ جیسا کہ مولانا مودودی بھی ڈاکٹر اسرار احمد کی طرح فریضہ اقامت دین کو انبیاء کرامؑ کا مقصد بعثت قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک تمام انبیاءؑ کا مقصود بشمول خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے دین کا قیام تھا۔ ان کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ دین کو بغیر کسی تفریق کے قائم کر دیں۔ آپ اپنی کتاب "دین حق" میں لکھتے ہیں:

جس کام پر محمد ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاءؑ مامور تھے وہ قرآن مجید کی رو سے یہ تھا کہ "ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ" (دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ) غیر مسلم دنیا کے مقابلے میں آپ کی ساری جدوجہد اسلیئے تھی کہ یکون الدین کلہ للہ (دین پورے کا پورا صرف اللہ کے لیے ہو جائے)۔۔۔اسلیے آپ کی قائم کردہ ریاست کا اصل کام یہی تھا کہ دین کے پورے نظام کو قائم کریں اور اس کے اندر ایسی آمیزش نہ ہونے دیں جو مسلم معاشرہ میں دورنگی پیدا کرنے والی ہو۔[44]

آپ کے نزدیک انبیاء کرامؑ وقت کی اجتماعی قوت کو اسلام کے تابع کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ان کی دعوت کا مرکزی تخیل ہی یہ تھا کہ اقتدار خدا اور صرف خدا کے لیے خالص ہو جائے اور شرک اپنی ہر جلی اور خفی شکل میں ختم ہو جائے۔ آپ کے مطابق خدا کے ان

---

[42]: وحید الدین خان، مولانا، دین وشریعت، ص32

[43]: ایضا، ص32

[44]: مودودی، سید ابو الاعلیٰ، مولانا (م1979ء)، دین حق، اسلامی پبلیکیشنز، لاہور، ت۔ن، ص436

فرستادہ بندوں نے زندگی کے ہر شعبہ کی اصلاح کے لیے جدوجہد کی تاکہ خدا کی سرزمین پر خدا کا دین قائم ہو جائے اور اسی کا قانون جاری وساری ہو ان کی یہ جدوجہد پوری زندگی کی اصلاح کے لیے تھی۔[45]

مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک تمام انبیاء کرامؑ کی بعثت کا مقصد دعوت و تبلیغ تھا اور تبلیغ کا اصلی محرک اقامت دین تھا۔ آپ کے خیال میں تمام انبیاء نے اسی مقصد کے حصول لیے زندگی بھر جدوجہد کی۔ وہ ساری زندگی جو دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے تو درحقیقت ان کے پیش نظر دین کی اقامت ہی تھی جس کے خاطر انھوں نے جدوجہد کی۔ آپ کے خیال میں اگر ہم اقامت دین کے لیے جدوجہد کرنا چاہتے ہیں تو اس مقصد کے لیے ہمیں انہی انبیاء کرامؑ کی سیرت کی طرف رجوع کرنا ہو گا جن کی بعثت کا مقصد اقامت دین تھا۔ اگر ہم ان کے نقش قدم پر چلیں گے تو ہی کامیابی ہمارا مقدر ٹھہرے گی۔[46] آپ لکھتے ہیں:

انبیاء کرام دنیا میں اللہ کا دین قائم کرنے کے لیے آئے اور اس مقصد کے لیے جس چیز کو انھوں نے وسیلہ اور ذریعہ بنایا وہ تبلیغ وشہادت ہے۔[47]

جہاں تک مولانا ابو الحسن علی ندوی کا تعلق ہے تو ان کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ اقامت دین انبیاء کرامؑ کا مقصد بعثت تھا۔ مولانا اسی (اقامت دین) کو انبیاء کرامؑ کی کوششوں اور جدوجہد کا مرکز و محور قرار دیتے ہیں اور انبیاء کی وراثت اور نیابت اس وقت مکمل ہو گی جب ہماری زندگیوں کا مرکز و محور وہی ہو گا جو ان کا تھا۔ آپ لکھتے ہیں:

علماء حق حضرت انبیاء علیہ السلام کے وارث اور جانشین ہیں۔ ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہو گی جب ان کی زندگی کا مقصد اور مرکز وہی ہو گا جو انبیاء کرام علیہم السلام کا تھا۔ وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی و عمل کیا ہے؟ دو لفظوں میں "اقامت دین" یا ایک لفظ میں "توحید" یعنی انسانوں کو اختیار و عملا اسی طرح سے اللہ کا عبد بنا دینا جیسا کہ وہ فطرتا اور اضطرارا اس کے عبد ہیں۔ اللہ جل شانہ کی حکومت اور قانون کو انسانوں کے جسموں اور ان کے متعلقہ زمین پر قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ جیسا کہ وہ زمین و آسمان پر ہیں۔[48]

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی رسالت و بعثت کا مقصد اقامت دین ہے اور اسی راہ میں آپؐ کو جدوجہد اور کوشش کرتے رہنے اور مخالفین کے خلاف ڈٹے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپؐ کی بعثت نظام توحید کو عملی طور پر نافذ کر دینے کے لیے تھی اور اسی کا دوسرا نام اقامت دین ہے اور ہم مسلمانوں کے لیے آپؐ کی اتباع اسی میں ہے کہ ہم بھی آپؐ کے نقش قدم پر چلیں اور اقامت دین کی جدوجہد میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ گویا آنحضور ﷺ پر اتمام شریعت اور تکمیل دین اور ختم واکمال نبوت ورسالت کا لازمی تقاضا تھا کہ آپؐ کی بعثت کا مقصد یہ قرار پاتا کہ آپؐ انذار و تبشیر، دعوت تبلیغ، وعظ و نصیحت، تعلیم و تربیت اور تزکیہ و اصلاح پر مستزاد تنظیم ،ہجرت، جہاد اور قتال پر مشتمل ایک انقلابی جدوجہد کے ذریعے باطل نظام زندگی کو جڑ سے اکھاڑ کر اس کی جگہ دین حق کو بالفعل قائم و

---

[45]: مودودی، سید ابو الاعلیٰ، مولانا(م1979ء)، اسلامی ریاست، ص18

[46]: اصلاحی، امین احسن، مولانا(م1997ء)، مقالات اصلاحی، ج1، ص274

[47]: ایضا، ج1، ص281

[48]: ندوی، ابوالحسن علی، مولانا(1999ء)، خطبات علی میاں، مجلس نشریات اسلام کراچی، ت۔ن ج1، ص147

نافذ کر دیں۔ چنانچہ یہی ہے آپؐ کے مقصد بعثت کی وہ اتمامی و تکمیلی شان جس کے اعتبار سے آپؐ انبیاء ورسل کی پوری جماعت میں ایک منفرد مقام اور ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ [49]

مولانا وحید الدین خان صاحب کے علاوہ دیگر مفکرین جن کی آراء کو اوپر درج کیا گیا بشمول ڈاکٹر اسرار احمد اقامت دین کے لیے کی جانے والی جدوجہد کو نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کا مقصد بعثت قرار دیتے ہیں۔ یہاں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مولانا وحید الدین خان کے علاوہ دیگر مفکرین کے نزدیک چونکہ اقامت دین کا مفہوم صرف خود پر دین کو قائم رکھنا نہیں بلکہ اسے دوسروں پر قائم کرنے کی کوشش بھی کرنا ہے لہذا دعوت و تبلیغ بھی ان کے ہاں اسی کی ہی ایک کڑی ہے اور دعوت کا مقصود محض پہنچا دینا نہیں بلکہ یہ درحقیقت دین کو قائم کرنے کے لیے کی جانے والی کوشش کا ایک مرحلہ ہے لہذا ان کے ہاں انبیاء کرام کی دی جانے والی دعوت کا مقصود دراصل اسلامی نظام کا قیام ہے۔ لیکن مولانا وحید الدین خان کے نزدیک چونکہ دعوت و تبلیغ اور اقامت دین دو الگ الگ چیزیں ہیں لہذا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کرام کی زندگیوں کا مقصد محض پہنچا دینا تھا۔ چونکہ آپ اس بات کے قائل ہی نہیں کہ اسلام کو بطور نظام قائم کرنا ہم پر فرض ہے تو آپ کے نزدیک یہ انبیاء کرامؑ کی زندگیوں کا مقصد بھی قطعاً نہیں ہو سکتا۔ پس محققہ کے نزدیک اس اختلاف کی وجہ اقامت دین کے مفہوم میں اختلاف ہے۔

نتائج وحاصلات:

مولانا وحید الدین کے مطابق اقامت دین کا مفہوم قائم کرنا نہیں بلکہ قائم رکھنا ہے۔ دیگر مفکرین کے ہاں اس سے مراد قائم رکھنا اور قائم کرنا دونوں ہیں۔ جب تک ہم کسی چیز کو قائم نہیں کریں گے وہ کسی طور خود بخود قائم نہیں ہو سکتی۔ اور جب وہ قائم ہی نہیں ہو گی تو قائم رہنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا یہاں اقامت دین سے مراد محض دین کا قائم رکھنا نہیں بلکہ قائم کرنا بھی ہے۔

مولانا وحید الدین خان صاحب کے علاوہ دیگر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں صرف انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر اس کے قیام کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ امت مسلمہ بہترین امت اس لیے قرار دیا گیا کیونکہ وہ لوگوں کو دین پر قائم ہونے اور قائم رہنے کا حکم دیتے ہیں۔۔ لہذا نیک باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا دین کو قائم کرنے اور رکھنے کے مترادف ہے۔ اور اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین اسلام صرف انفرادی حد تک ہم سے یہ تقاضا نہیں کرتا کہ ہم دین پر قائم رہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو اس پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔ جاوید احمد غامدی کے علاوہ تمام مفکرین، بشمول ڈاکٹر اسرار احمد، جو اقامت دین کے لیے کی جانے والی جدوجہد کے قائل ہیں وہ اس کو فرض مانتے ہیں۔ باوجود اس کے ان میں اقامت دین کے مفہوم میں اختلاف پایا جاتا ہے وہ تمام اس کی فرضیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرض ہے کہ انسان اپنے اوپر دین کو قائم کرنے اور رکھنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ دوسروں تک دین پہنچانے اور دین کو قائم کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ قرآن پاک کی دیگر آیات اور انبیاء کرام کی سیرت بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ ایک انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی توانائی اقامت دین کے لیے صرف کرے۔

آپ اقامت دین کو انبیاء کرامؑ اور پیغمبروں کا مقصد بعثت نہیں سمجھتے۔ آپ کے نزدیک قرآن میں تمام انبیاءؑ کے بارے میں واضح طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ صرف تبلیغ (پہنچا دینے) پر مامور تھے۔ قوموں کو پوری طرح باخبر کر دینے کے بعد ذاتی ذمہ داری کی

[49]: اسرار احمد، ڈاکٹر (م 2010ء)، نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت، دار التذکیر، لاہور، 2002ء ص 45

حد تک ان کا کام ختم ہو جاتا تھا۔ جہاں تک دوسرے مفکرین کرام کا تعلق ہے تو وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اقامت دین کی جدوجہد تمام انبیاء کرامؑ کرتے رہے ہیں۔اور یہ ان کے ہاں مقصود کی حیثیت رکھتی تھی۔